امام ابو یوسفؒ کا معاشی فکر

(جناب نجات اللہ صدیقی صاحب، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

(علم اقتصادیات میں مسلمان علماء کا کیا حصہ ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آج ایک عام پڑھا لکھا شخص تو کجا علم اقتصادیات کے بیشتر اساتذہ بھی نہیں دے سکتے۔ ضرورت ہے کہ وہ حضرات جو جدید علم اقتصادیات اور مسلمان علماء و مفکرین کے علوم پر عبور رکھتے ہوں علم اقتصادیات میں مسلمان علماء و مفکرین کی کاوشوں کو پیش کریں۔ ذیل میں ہم معاصر زندگی رامپور کے شکریے کے ساتھ اس کے جولائی اور اگست ۶۳ء کے شماروں سے ایک مضمون نقل کر رہے ہیں جو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ادارہ)

ایک مرتب اور منضبط علم کی حیثیت سے معاشیات کی عمر دو ڈھائی سو برس سے زیادہ نہیں لیکن اس سے قبل بھی اجتماعی مسائل اور انتظامی امور پر لکھنے والوں میں اس بات کا شعور پایا جاتا تھا کہ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور دوسرے معاشی امور کی تہ میں کچھ اصول کارفرما ہیں۔ اشیاء کے مبادلے اور زر کے استعمال سے پیدا ہونے والے مسائل پر بھی ایسی گفتگوئیں ملتی ہیں جن سے متعلقہ اصولوں سے آگاہی کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ ان معاشی مظاہر کے باقاعدہ تجزیے و تحلیل اور ان اصولوں کے تفصیلی مطالعہ کا رواج نسبتہً دیر میں ہوا۔ چنانچہ معاشی تجزیہ (Economic Anaysis) کی ایسی تاریخیں مرتب کی جا چکی ہیں جو زمانہ قدیم اور قرونِ وسطیٰ کی تحریروں میں معاشی تجزیے کے عمل کا سراغ لگاتی ہیں۔ اور ان معاشی اصولوں کی نشان دہی کرتی ہیں جن سے ان زمانوں کے مفکرین باخبر تھے[1]۔ یہ اصول زیادہ تر فلسفیوں اور ان جیسے افراد کی

[1] اس موضوع پر سب سے جامع تصنیف جوزف اے شمپیٹر کی معاشی تجزیہ کی تاریخ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریروں میں ملتے ہیں جنھوں نے سیاسی اور انتظامی امور پر بحث کی ہے اور اس بحث کے دوران معاشی حقائق پیش کیے ہیں یا معاشی تصورات (concepts) استعمال کیے ہیں۔

لیکن مغرب میں علوم کا ارتقا جس مخصوص فضا میں ہوا ہے اس کے زیر اثر اور بڑی حد تک بے خبری کی وجہ سے بھی معاشی تجزیہ اور معاشی فکر کی تاریخوں میں مسلمان مفکرین کا کوئی ذکر نہیں ملتا[1] دراں حالیکہ یہ بات ایک عام قاری کو بھی حیرت میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی ہے کہ مغربی تہذیب کے غلبے سے پہلے جو طرز زندگی صدیوں تک مہذب دنیا میں رائج رہا، اس کے زیر اثر ان قوموں میں معاشی فکر و تجزیے کے باب میں کوئی قابلِ ذکر کام نہ ہو سکا ہوگا جو صنعت و حرفت، تجارت اور تنظیمِ مملکت کے باب میں بھی اس وقت دنیا میں سب سے آگے تھیں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کچھ کم قابلِ افسوس نہیں ہے کہ خود معاصر مسلمان مصنفین نے بھی مسلمانوں کے معاشی فکر اور مسلمان علماء و مفکرین کے یہاں معاشی تجزیے کی تاریخ مرتب کرنے کی کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی ہے۔

معاشی تجزیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان قوتوں اور ان انسانی اعمال و رجحانات کا پتہ چلایا جائے جن کے تعامل کے نتیجے میں سطح زندگی پر نمایاں معاشی مظاہر وجود میں آتے ہیں یا ان اثرات و نتائج کی نشان دہی کی جائے جو کسی معاشی عمل یا اقدام سے متعلقہ افراد یا اداروں پر مرتب ہوتے ہیں۔ تجزیہ کا اطلاق اسباب و عوامل کی دریافت پر بھی ہوتا ہے اور اثرات و نتائج کی تحقیق پر بھی معاشی تجزیہ پیچیدہ اور مرکب معاشی امور کے پیچھے کام کرنے والی سادہ اور مفرد قوتوں کو دریافت کرتا ہے یا معاشی اعمال کے پیچیدہ اثرات کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دکھلاتا ہے قیمتوں کے تعین کو طلب و رسد کے تعامل کا نتیجہ قرار دینا، پھر طلب کی تعیین کرنے والے عوامل

---

[1] واحد استثناء ابن خلدون کی ذات ہے جس کا ذکر ایک عالمِ عمرانیات اور مورخ کی حیثیت سے شمپیٹر نے ضمناً کیا ہے (مذکورہ بالا کتاب، طبع آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۵۹ صفحات ۱۳۶ اور ۷۸۸)، لیکن اس کے معاشی فکر و تجزیے سے شمپیٹر بھی آگاہ نہیں ہے۔ دوسرے معروف مورخین معاشیات کسی مسلمان مفکر کا ذکر نہیں کرتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

—— افراد کے ذوق اور ان کی ترجیحات، ان کی آمدنی وغیرہ — کی نشان دہی کرنا معاشی تجزیے کی ایک مثال ہے۔ اس طرح کسی محصول کا تجزیہ یہ متعین کرے گا کہ اس کے اثرات محصول ادا کرنے والوں پر کیا پڑتے ہیں اور اس سے وصول کرنے والوں کو کیا حاصل ہوتا ہے، ان اثرات اور اس حاصل کا، محصول کی نوعیت اس کی شرح یا طریق تحصیل سے کیا تعلق ہے اور ان میں کوئی ترمیم ان اثرات و نتائج کو کس طرح متاثر کر سکتی ہے۔

معاشی فکر کا دائرہ زیادہ وسیع ہے، اس سے مراد وہ تمام افکار و خیالات ہیں جو معاشی امور سے متعلق ہوں۔ معاشی مسائل کے حل کے لیے کیے جانے والے اقدامات، اور معاشی بہبود کے لیے پیش کی جانے والی تجاویز اس کے دائرے میں شامل ہیں اور وہ تمام امور و مباحث جن کا مطالعہ موجودہ علماء معاشیات معاشی پالیسی (ECONOMIC POLICY) کے عنوان کے تحت کرتے ہیں۔ کسی معاشی مظہر کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے یا کسی معاشی نتیجے کے مطلوب یا غیر مطلوب ہونے کی بابت ظاہر کیے جانے والے خیالات بھی معاشی فکر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ مثلاً تجارت کے فوائد، سود کے جواز و عدمِ جواز، مروجہ محاصل کی خوبیوں یا خرابیوں، زرعی تعلقات اور زمین کے بندوبست اور بے روزگاری کے انسداد کی تدابیر پر بحث و گفتگو کرنے والوں کے افکار و خیالات معاشی فکر کی ترجمانی کریں گے۔

معاشی افکار کے مطالعہ سے ان کے پیچھے کام کرنے والی تجزیاتی بصیرت کا بآسانی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مفکر جب دو مختلف محاصل کا موازنہ کرتے ہوئے ایک کو دوسرے سے بہتر قرار دیتا ہے تو اس راستے کی بنیاد اس کے نزدیک وہ اثرات و نتائج ہوتے ہیں جو ادا کرنے والوں اور وصول کرنے والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسی محصول کے اثرات و نتائج پر غور اس کے تجزیے میں شامل ہے۔ اور یہ بات کہ وہ مفکر کن اثرات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور کون سے نتائج اسے زیادہ مطلوب ہیں، نیز یہ کہ اس کی نظر اثرات پر زیادہ ہے یا نتائج پر... اس کے معاشی فکر اور ان معاشی و سماجی قدروں کی نشان دہی کرتی ہے جنہیں اس کے نزدیک وزن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہے۔

معاشی فکر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی معاشرے کی لیکن معاشی تجزیہ و تحلیل کا، اس علم کے مستند مورخین کی رائے ہیں، فلاسفۂ قدیم سے قبل کوئی پتہ نہیں ملتا۔[1] اگرچہ علماء یونان کے معاشی تجزیے کا معیار بہت اونچا نہیں ہے۔ پھر بھی انھیں اس باب میں شرفِ اولیت حاصل ہے اس سلسلے میں سب سے نمایاں کارنامہ ارسطو (۳۸۴ قبل مسیح تا ۳۲۲ قبل مسیح) کا ہے۔ ارسطو کے تجزیاتی کام کی اہمیت اس سے زیادہ اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کے بعد سینکڑوں صدیوں تک تجزیاتی کام نے کوئی قابلِ ذکر ترقی نہیں کی سلطنتِ روما اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں اس باب میں ایک غیر معمولی خلا ملتا ہے ارسطو کے سات سو برس کے بعد سینٹ اگسٹائن (۳۵۴ - ۴۳۰ء) کی تصانیف میں بھی معاشی امور کے تجزیہ کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی ہے اور علم معاشیات کے مورخین کو ٹامس اکوئیناس (۱۲۲۵ - ۱۲۷۴ء) سے پہلے اس میدان میں کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ملتا۔[2]

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ایک مرتب اور منضبط علم کی شکل اختیار کرنے سے پہلے کے دور میں معاشی تجزیہ اور معاشی اصولوں کا پتہ اس دور کے معاشی مطالعہ اور معاشی امور پر کی جانے والی بحثوں کی تحلیل کے ذریعہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ ابتدائی اسلامی دور کے معاشی فکر کا اس انداز سے مطالعہ کافی نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ یہ مطالعہ ہمیں یہ بتا سکتا ہے کہ اس دور میں معاشی مظاہر کو سمجھنے کی کس حد تک کوشش کی گئی تھی۔ معاشی مسائل کو حل کرنے اور معاشی امور سے متعلق قوانین بنانے میں کیا رہنما اصول سامنے رکھے گئے تھے اور جو حل اختیار کیے گئے یا جو قوانین بنائے گئے وہ متعلقہ امور و مسائل سے کس حد تک آگاہی ظاہر کرتے ہیں۔

اس مطالعہ میں ہمارا نقطۂ آغاز قدرتی طور پر رسالت مآب کا دور ہو گا۔ آپ کے ارشادات، فیصلوں اور اجتماعی امور و مسائل میں آپ کی پالیسی کا گہرا مطالعہ آپ کے معاشی فکر اور معاشی

---

[1] شمپیٹر: بحوالہ بالا صفحہ ۵۲

[2] شمپیٹر: بحوالہ بالا صفحہ ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مظاہر کے فہم پر کافی روشنی ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے دور کے آثار کی تحلیل بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاشی پالیسی کے جائزے سے بھی مفید نکات سامنے آئیں گے۔ اسلامی فقہ کی تدوین کا دور اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ متعدد معاشی امور و مسائل پر اسلامی قوانین و ضوابط کے استنباط سے متعلق بحثیں یقیناً بحث میں حصہ لینے والوں کے معاشی فکر اور ان کی تجزیاتی رسائی کا پتہ چلانے کا اچھا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ اس دور کے بعد جو اکابر مفکرین اور علماء گزرے ہیں ان کی بہت سی تصانیف محفوظ ہیں جو ان کے معاشی فکر کے مطالعہ کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

دوسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک متعدد ایسے علماء و مفکرین گزرے ہیں جن کی تصانیف میں معاشی بحثیں بھی ملتی ہیں۔ اس ضمن میں قاضی ابو یوسف، مسکویہ، ماوردی، ابن حزم، غزالی، رازی، ابن تیمیہ اور ابن خلدون کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ان علماء کے معاشی افکار کا جائزہ ایسے تجزیاتی نکات سامنے لائے گا جو ان کے صدیوں بعد مرتب ہونے والے علم معاشیات کے معیاروں کے مطابق بلند پایہ قرار پائیں لیکن ہمارا یہ خیال ضرور ہے کہ یہ مطالعہ علمی اعتبار سے مفید نتائج سامنے لائے گا۔ نہ صرف یہ کہ اس اسلامی تہذیب و تمدن کے ایک ایسے پہلو پر روشنی پڑے گی جس کی طرف اب تک بہت کم توجہ کی گئی ہے بلکہ یہ مطالعہ معاشی فکر و تجزیے کی تاریخوں کے اندر اس خلا کو پُر کرنے کے لیے بھی ضروری ہے جو ہمیں متداول کتابوں میں ملتا ہے۔ کیوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی تک کا زمانہ جسے شمپیٹر نے معاشی تجزیے کی تاریخ کے نقطہ نظر سے ایک عظیم خلا قرار دیا ہے[۱]۔ بعینہ وہ دور ہے جس میں مسلمان علماء و مفکرین نے اس میدان میں قابلِ ذکر کارنامے انجام دیئے ہیں۔

اس مختصر مقالے میں ہم نہ اس مطالعہ کا حق ادا کر سکتے ہیں نہ ہم نے اس کو اس کے قدرتی نقطۂ آغاز سے شروع کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں چند باتیں صرف اس

[۱] شمپیٹر۔ بحوالہ بالا۔ صفحہ ۷۴-۷۳۔ زیر عنوان "THE GREAT GAP"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے کہی گئی ہیں کہ معاشیات اور اسلام کے طالب علم اس موضوع کی طرف توجہ کریں۔ ہم نے اس مقالے کے لیے مذکورہ بالا علماء و مفکرین میں سے ایک نمایاں شخصیت کا انتخاب کیا ہے جب بھی اسلام میں معاشی فکر و تجزیے کی کوئی تاریخ مرتب کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد خاص اور خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم (۱۱۳ھ-۱۸۲ھ/ ۷۳۱ء - ۷۹۸ء) کو اس میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوگا۔ ان کی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" ان کے معاشی فکر کا آئینہ ہے اور اسی کو ہم نے اس مطالعہ کی بنیاد بنایا ہے[۱]۔

چونکہ ہمارے سامنے اسلام میں معاشی فکر و تجزیے کی تاریخ کو اس کے قدرتی نقطۂ آغاز سے شروع کرنے اور اس پر مفصل بحث کرنے کا کام نہیں ہے اس لیے بہت سے ایسے نکات جن کا تمہیدی طور پر ذکر مفید ہوتا ہم نے پیش نہیں کیے ہیں۔

قاضی ابو یوسف سلطنت بنو امیہ کے آخری زمانہ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے عالم شباب میں حکومت بنو عباس کے ہاتھوں میں آگئی اور جب پختہ عمر کو پہنچے تو عباسی حکومت کو پورا استحکام حاصل ہو چکا تھا۔ عمر کے آخری سترہ سال عباسی سلطنت کے دارالخلافہ بغداد میں گزرے یہ زمانہ عباسی سلطنت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اس کے حدود مشرق میں سرحد چین اور وادی سندھ تک، مغرب میں لیبیا کے صحراؤں تک، شمال میں دریائے سیحون اور کوہ قفقاز تک اور جنوب میں یمن اور وسط افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں یہ دنیا کی سب سے طاقتور سلطنت تھی۔ اس کے خارجی تعلقات یورپ اور ہندوستان سے بھی تھے۔ ہارون الرشید (دور حکومت

---

[۱] قاضی صاحب کی دوسری مطبوعہ تصانیف: کتاب الآثار، کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ، اور کتاب الرد علی سیر الاوزاعی بھی ہمارے سامنے ہیں لیکن ان میں اس نوعیت کی بحثیں نہیں ملتیں جن کا جائزہ ہمارے لیے مفید ہو البتہ قانونی مسائل پر قاضی صاحب کی بہت سی رائیں حنفی فقہ کی کتابوں میں نقل کی گئی ہیں جن کا جائزہ ان کے معاشی فکر اور تجزیاتی بصیرت پر مزید روشنی ڈال سکتا ہے لیکن اس مقالہ کی تیاری میں ان رایوں کو سامنے نہیں رکھا جا سکا۔

© rasailojaraid.com

۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ / ۷۸۶ء - ۸۰۹ء کے دربار میں ان ممالک کے حکمرانوں نے گراں بہا تحائف بھیجے تھے۔ اس حکومت میں اسلامی فقہ کو، جو اس زمانے میں قرآن و سنت کی روشنی میں مصالح اور عرف کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کی جا رہی تھی، قانون ملکی کی حیثیت حاصل تھی۔

معاشی اعتبار سے یہ دور فراخی اور خوش حالی کا دور تھا۔ وادیٔ نیل، دو آبۂ دجلہ و فرات اور شام جیسے زرخیز علاقوں کی وافر پیداوار کے سبب غلے اور پھل ارزاں اور فراواں تھے۔ بغداد جسے خلیفہ منصور نے ۱۴۵ - ۱۴۶ھ (۷۶۲ - ۶۳ء) میں از سرِ نو آباد کیا تھا عالمی تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا اور دریائے دجلہ میں، جس کے دونوں کناروں پر یہ شہر آباد تھا، ہر ملک کے جہاز نظر آتے تھے۔ بغداد کے بازاروں میں چین سے ریشم، مُشک اور برتن، ہندوستان اور ملایا سے مسالے، رنگ اور معدنی اشیاء، وسط ایشیا سے کپڑے، غلام، ہیرے اور جواہرات، روس اور اسکینڈے نیویا سے شہد، موم، سمور اور غلام، اور مشرقی افریقہ سے سونا، ہاتھی دانت اور سیاہ فام غلام لائے جاتے تھے۔ خود سلطنت کے مختلف صوبوں سے وہاں کی مقامی پیداوار بغداد کے بازاروں میں آتی تھی۔ بغداد سے متعدد خام اشیاء اور مصنوعات اور دوسرے ممالک سے درآمد کردہ مال یورپ اور افریقہ کو برآمد بھی کیے جاتے تھے۔

ہارون الرشید کے زمانے میں بغداد کی آبادی سات لاکھ اور سلطنت کی سالانہ آمدنی جو خراج، جزیہ، فَے اور محاصل جنگی سے ہوتی تھی پچاس کروڑ درہم سے زیادہ تھی۔ عُشر و زکوٰۃ کی آمدنی جس کے مصارف متعین تھے، اس کے علاوہ تھی۔ بغداد میں اشیاءِ ضرورت کے نرخ ارزاں تھے، عوام کی معاشی حالت اچھی تھی اور انھیں ایک معقول معیارِ زندگی میسّر تھا۔

بغداد اس زمانے میں اسلامی علوم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور عربی ادب، نحو اور لغت کے بڑے بڑے ائمہ جو آگے چل کر ان علوم میں مستقل مکاتبِ فکر کے بانی قرار پائے علمی سرگرمیوں اور درس و تدریس سے بغداد کی علمی فضا کو معمور کیے ہوئے تھے۔

قاضی ابو یوسف ایک غریب خاندان کے فرد تھے۔ کم عمری ہی میں کسب معاش پر مجبور ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن پھر ان کو علم حاصل کرنے کا شوق مشہور فقیہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے حلقۂ درس میں لایا۔ کچھ عرصہ اس میں شریک رہنے کے بعد امام ابو حنیفہ کی شاگردی اختیار کی اور امام صاحب کی وفات تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ آپ کا علم اور قانونی نقطۂ نظر زیادہ تر امام ابو حنیفہ کی تربیت کا فیض یافتہ ہے، اگرچہ آپ نے اپنے دور کے دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جلد ہی آپ کی علمی شخصیت، بالخصوص فقہ کے میدان میں اپنے دوسرے معاصرین سے ممتاز ہو کر ابھری اور آپ اسلامی قانون کے ایک صاحبِ اجتہاد ماہر کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔ آپ کو امام ابو حنیفہ کے بعد حنفی مکتبِ فقہ کا سب سے بڑا معمار قرار دیا گیا ہے۔ فقہ میں آپ نے چند کتابیں تصنیف کی تھیں جن میں سے چند اب بھی محفوظ ہیں۔

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی نے امام ابو یوسف کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کیا۔ چوتھے خلیفہ ہادی نے آپ کو پورے بغداد کا قاضی بنا دیا اور اس کے بعد جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے آپ کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ دیا۔ جس پر اپنی وفات تک فائز رہے۔ پوری عباسی سلطنت میں ججوں کا تقرر آپ کے مشورے سے عمل میں آتا تھا۔ آپ کے علم و بصیرت کے پیشِ نظر خلیفہ اہم سیاسی انتظامی اور مالی امور میں بھی آپ سے مشورہ کر لیا کرتا تھا۔

کتاب الخراج

ہارون الرشید نے رعایا کی فلاح کے لیے کام کرنے اور شریعت کے مطابق عدل کے ساتھ حکومت کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں قاضی ابو یوسف سے رہنمائی چاہی۔ اس نے مختلف انتظامی اور مالی امور سے متعلق سوالات کیے۔ بالخصوص محاصل کے باب میں شرعی ضوابط دریافت کیے۔ قاضی صاحب نے کافی محنت اور توجہ سے ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے ایک جامع اور مفصّل یادداشت مرتب کر دی۔ یہی تحریر بعد میں کتاب الخراج کے نام سے مشہور ہوئی۔

خراج کے موضوع پر دوسری اور تیسری صدی ہجری میں متعدد کتابیں مرتب کی گئی تھیں جن میں سے چند اب بھی محفوظ ہیں۱۔ خراج کے لفظی معنی ٹیکس کے ہیں۔ اگرچہ اس کا اطلاق زیادہ تر زمین کے محصول پر ہوتا

۱۔ یحییٰ بن آدم القرشی: کتاب الخراج۔ قدامہ بن جعفر بن قدامہ: الخراج وصنعۃ الکتابۃ۔ ابو عبید القاسم بن سلام: کتاب الاموال اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے[1]۔ فقہاء اسلام نے اسے نسبتہً وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا ہے جس کے دائرے میں فَئے اور غنیمت کی آمدنی، جزیہ، محاصل اور چنگی اور زمین کے محاصل بھی آجاتے ہیں۔ خراج پر اکثر تصانیف میں ان محاصل کے علاوہ دوسرے مالی امور اور متعلقہ انتظامی امور سے بھی بحث کی گئی ہے۔ قاضی ابو یوسف کی "کتاب الخراج" میں مذکورہ بالا امور کے علاوہ قوانینِ جنگ و صلح، فوجداری قوانین، حکمراں اور افسرانِ حکومت کی ذمہ داریاں، رعایا کے فرائض، فلاحِ عامہ سے متعلق امور، ذمّی، معاہد، متامن، حربی، مرتد اور باغی افراد سے متعلق احکام، محکمۂ ڈاک اور خبر رسانی وغیرہ بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔ زمینوں، چراگاہوں، چشموں اور نہروں سے متعلق مسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور ضمناً بیع سے متعلق بعض مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ ان مباحث کے ضمن میں بہت سی تاریخی معلومات بھی فراہم کردی گئی ہیں[1]۔

اس مقالہ میں ہم اس کتاب کی روشنی میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر بالخصوص ان تجزیاتی نکات کا جائزہ لیں گے جو ان کے معاشی فکر میں ملتے ہیں۔ ان مباحث کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی تھی معاشیات کا علم وجود میں نہیں آیا تھا اس کی تصنیف کا زمانہ آدم اسمتھ کی دولت اقوام[2] (WEALTH OF NATIONS) سے ایک ہزار سال پہلے ہے، اور قرونِ وسطیٰ کے معاشی فکر کا سب سے بڑے نمائندہ ٹامس اکوئیناس ابو یوسف کے پانچ سو برس بعد پیدا ہوا تھا۔ ارسطو اور دوسرے یونانی علماء کی کتابیں اس وقت تک عربی میں منتقل نہیں ہوئی تھیں اور عرب علماء ان کے تجزیاتی کام سے ناواقف تھے۔

چونکہ امام ابو یوسف کے تجزیاتی نکات یا کسی خاص موضوع پر ان کے فکر کا جائزہ لینے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی کتاب کی متعلقہ عبارتیں نقل کی جائیں لہٰذا اس مختصر مقالہ میں ان کی معاشی فکر کا مکمل جائزہ لینے کی گنجائش نہیں۔ ہم اپنے مطالعہ کو صرف دو تین موضوعات تک محدود رکھیں گے۔ اور ان کے ضمن میں بھی صرف ضروری اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ (باقی)

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ فرانسیسی، روسی اور ترکی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اطالوی میں اس کی تلخیص شائع ہو چکی ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ جلد ہی شائع ہونے والا ہے۔ [2] ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی۔

© rasailojaraid.com